ترجمہ

خودنوشت حاجی غلام محمد منشی

جی ایم منشی/محمد عمید فاروقی*

خان بہادر حاجی غلام محمد منشی[1] کی انگریزی خودنوشت سوانح عمری بہ عنوان Autobiography of Haji Ghulam Muhammad Munshi کا اردو ترجمہ ہے جو سورت سے ۱۸۹۳ء میں شائع ہوئی۔ غلام محمد منشی کا تعلق بمبئی سے تھا جہاں انھوں نے سیاسی اور سماجی حوالوں سے سرگرم زندگی گزاری۔ انھوں نے اردو زبان میں رموز واوقاف کی اہمیت پر رسالہ نجم العلامات تصنیف کیا۔ اس دور میں اردو زبان میں رموز واوقاف اور علامات کی اہمیت کو سمجھا گیا اور ان کے استعمال کے لیے شعوری کوششوں کا آغاز ہوا۔ علامات کسی بھی زبان کی ترقی و ترویج میں اہم کردار ادا کرتی ہیں ان کے ذریعے مخاطبین پر خاطر خواہ اثرات ڈالے جا سکتے ہیں اور جملوں کی تشریحات وتوضیحات کو زیادہ بامعنی بنایا جا سکتا ہے۔

غلام محمد منشی انجمن اسلام بمبئی کے بانی رکن تھے۔ انجمن مذکور نے مسلمانوں کے لیے اسکول، کتب خانے اور دیگر ادارے قائم کیے۔ اس کے علاوہ انھوں نے متعدد سرکاری عہدوں پر بھی ذمے داریاں ادا کیں۔ خودنوشت میں اپنے حالات زندگی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے کاوشوں اور انگریز حکومت کے ساتھ کام کرنے کے تجربے کو خصوصیت سے تحریر کیا گیا ہے۔

خودنوشت سے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد مسلمانوں کی مجموعی حالت اور ان کے ساتھ سرکارِ برطانیہ کے رویے پر روشنی پڑتی ہے۔ مقامی لوگوں کے علاوہ یورپی افراد خاص طور پر سول وفوجی افسران اور تاجر اردو اور فارسی زبانیں سیکھا کرتے تھے۔ مختلف شہروں میں ادبی انجمنیں قائم تھیں۔ اردو اخبار اور جرائد بھی شائع ہو رہے تھے۔

انتساب۔

خان بہادر قاضی شہاب الدین[2] ((C.I.E کے نام۔

جب یہ کتاب اپنی اشاعت کے قریب تھی تب میں نے اسے اپنے ایک پرانے دوست خان بہادر قاضی شہاب الدین کے نام کرنے کا سوچا۔ قاضی شہاب الدین ہندوستان کے اس حصے میں مسلمانوں کے ایک بڑے پشتی بان

* طالب علم، شعبۂ ابلاغِ عامہ، جامعہ کراچی

ہیں۔لیکن وہ مسلمانوں کی تعلیم کے لیے اپنی دل چسپی اور عزائم کو عوام کے سامنے نہیں لانا چاہتے تھے۔اسی وجہ سے جب میں نے کتاب کے انتساب کے لیے ان سے اجازت چاہی تو وہ اس سلسلے میں کچھ لاتعلق اور بے پرواہ نظر آئے۔

بہر کیف ایک اچھے دوست کی حیثیت سے میں نے اسے اپنی ذمے داری تصور کیا کہ میں اس بارے میں خاموش نہ رہوں۔اسی سبب سے میں خان بہادر کے بارے میں جو کچھ جانتا ہوں اس کو یہاں مختصراً بیان کر رہا ہوں۔

خان بہادر ۱۸۶۳ء سے اپنی توانائیاں اور ذرائع مسلمانوں کی ترقی کے لیے استعمال کر رہے ہیں۔دیگر خدمات کے علاوہ محکمہ تعلیم کے ذریعے ان کی جانب سے جاری کردہ وظیفے سے تقریباً ۷۵ طالب علم تعلیم حاصل کر چکے ہیں۔اس کے علاوہ وہ پورے بمبئی میں قائم ہائی اسکولوں میں زیر تعلیم مسلمانوں کے وظیفے کے لیے ایک لاکھ روپے کی خطیر رقم بھی عطیہ کر چکے ہیں۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دیگر صاحب ثروت مسلمانوں کو بھی قاضی شہاب الدین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا کرے۔

پیش لفظ

پچیس سالوں پر محیط سرکاری اداروں کے سربراہان، مقامی حکومت، حکومت بنگال اور مرکزی حکومت سے مسلمانوں کی تعلیم ان کی فلاح و بہبود اور محکمہ ڈاک، ریلوے اور دیگر سرکاری اداروں میں ان کی نوکریوں کے حوالے سے کی جانے والی خط کتابت اور ان خطوط کے جوابات جن کے ذریعے میں نے معتبر مسلمانوں کے لیے مختلف اعزازات، خطابات، اور عہدوں کے لیے سفارش کی ہے اگر ان کو جمع کیا جائے تو کئی جلدوں پر پھیل جائیں جنھیں میں شاید اپنی پیرانہ سالی کے باعث مکمل نہ کر سکوں۔اسی وجہ سے میں اپنے بچوں، ان کے بچوں اور اپنے دوستوں کے لیے اپنی زندگی کے حالات یہاں اختصار سے پیش کرنا چاہوں گا۔ان حالات کے پیش کرنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ نئی نسل کو یہ اندازہ ہو سکے کہ ایک فرد کی کوششوں سے کیا کچھ نہیں کیا جا سکتا۔مجھے یقین ہے کہ نئی نسل میں سے کوئی نہ کوئی اس راستے پر ضرور چلے گا۔میں نہ صرف مسلمانوں کا شکر گزار ہوں جنھوں نے میری کوششوں کو سراہا بلکہ حکومت کا بھی مشکور ہوں جس نے ان خدمات کے عوض مجھے خان بہادر کا خطاب عطا کیا۔

بمبئی

۱/دسمبر ۱۸۹۳ء

باب ۱

سلسلۂ نسب، پیدائش اور تعلیم:

میرے دادا اور مہتر خاندان کے سربراہ شیخ محمد مہتر گجرات کے تاریخی شہر احمد آباد سے ہجرت کر کے بمبئی آئے اور پھر وہیں کے ہو رہے۔انھوں نے یہاں مقیم یورپی افراد کے کپڑے دھونے کا کام شروع کیا اور اتنا کچھ جمع کر لیا جس سے چند مکانات خریدے جا سکیں۔انھوں نے اپنے بیٹے (میرے والد) شیخ جمعہ مقدم کو ہندوستانی اور فارسی زبانیں لکھنا اور پڑھنا

سکھائیں۔ شیخ جمعہ بھی اپنے والد کے نقش قدم پر چلے لیکن انھوں نے صرف اپنے بڑے بیٹے شیخ محمد جو بعد میں غلام محمد منشی (مصنف) کے نام سے جانے گئے کو اسکول میں داخل کروایا۔ میں ۷ جمادی الاول ۱۲۴۰ھ بہ مطابق ۲۸ دسمبر ۱۸۲۴ء کو پیدا ہوا۔ اسکول میں جلد ہی میں نے قرآن پاک پڑھنا سیکھ لیا جس کے بعد مجھے پرانی قاضی اسٹریٹ پر قائم ایک ہندوستانی اسکول میں داخل کروایا گیا۔ یہ اسکول منشی محمد ابراہیم مکباح مرحوم نے قائم کیا تھا۔ منشی محمد ابراہیم مکباح عربی، فارسی اور ہندوستانی زبان کے مترجم، سپریم کورٹ (جسے اب ہائی کورٹ کہا جاتا ہے) کے مترجم اور اپنے وقت میں مسلمانوں کی تعلیم کے حامی تھے۔

منشی محمد ابراہیم نے ۱۸۳۷ء کے سالانہ امتحانات کے بعد مجھے اور کچھ افراد کو ایلفنسٹن انسٹیٹیوشن (Elphinstone Institution) جسے اب ایلفنسٹن ہائی اسکول کہا جاتا ہے بھیج دیا۔ میں نے وہاں تین سال تعلیم حاصل کی اور ۱۸۴۰ء میں اسے خیر باد کہا۔

باب ۲

شادی اور روزگار:

میں نے ۱۸۴۱ء میں تقریباً چار ماہ کے لیے ایک کھوجا تاجر قاسم بھائی ناتھا بھائی کے دفتر میں کام کیا۔ میں سیکریٹریٹ کے شعبہ فارسی سے بھی منسلک رہا اور کچھ عرصے کے لیے منشی مرزا موسیٰ خان کی زیر نگرانی فارسی ترجمے بھی کیے۔ اس کے بعد مجھے ایک یورپی نے اسے ہندوستانی زبان سکھانے پر مامور کیا اور اسی وقت سے منشی کی حیثیت سے میری عملی زندگی کا آغاز ہوا۔ میری شادی ۲۲ ذی الحج ۱۲۵۷ھ بہ مطابق ۳ فروری ۱۸۴۲ء کو ہوئی۔ اس کے کچھ عرصے بعد ہی میں نے ایک استاد کے طور پر پورے صوبے کے سفر کا آغاز کیا جس میں سندھ بھی شامل تھا۔ میں نے یورپی افراد کو فارسی، ہندوستانی اور گجراتی زبانیں سکھائیں، ان یورپی لوگوں میں وکیل، تاجر، عام شہری اور فوجی افسران سب ہی شامل تھے۔

معلمی کے پیشے کے باعث میں یورپی لوگوں کے ساتھ رابطے میں رہا۔ اس رابطے کی وجہ سے میں نے عام بول چال کی انگریزی اور اس کا صحیح تلفظ سیکھ لیا۔ مزید محنت اور مطالعے سے میں نے انگریزی ادب سے بھی آگاہی حاصل کر لی۔ اپنے ان تجربات کی مدد سے میں نے رومن رسم الخط میں ہندوستانی اور انگریزی میں ایک کتاب کلوکیل ڈائیلاگز (Colloquial Dialogues) مرتب کی۔ اس کتاب کا مقصد یورپی لوگوں کو ہندوستانی زبان سیکھنے میں آسانی فراہم کرنا تھا۔ اس کتاب کو انگلستان میں میسرز تھیکر وائینگ اینڈ کو (Messrs Thacker, Vining & co.) نے ۱۸۵۹ء میں شائع کیا۔ اس کتاب کی کامیابی سے مجھے کتاب کا نظر ثانی اور توسیع شدہ ایڈیشن مرتب کرنے کی ترغیب ملی۔ جو ۱۸۶۳ء میں شائع ہوا۔ یہ کتاب میں نے متوفی سر برٹل فریئر (Sir Bartle Frere) کے نام کی جو اُس وقت بمبئی کے گورنر تھے۔

۱۸۶۶ء میں مجھے بیرار کے ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن متوفی ڈاکٹر سنکلیر، ایل ایل ڈی (Dr. Sinclair, LL.D) نے ڈپٹی

ایجوکیشنل انسپیکٹر کے عہدے پر فائز کیا لیکن ملک کے ناخوش گوار حالات کے باعث میں نے چند ماہ بعد ہی استعفیٰ دے دیا۔

میں نے ۱۸۸۶ء میں اپنے کچھ شاگردوں کی درخواست پر بے تال پچیسی کا انگریزی ترجمہ شائع کیا۔

کسی بھی زبان میں رموز و اوقاف اور علامات کی اہمیت مسلم ہے لیکن عربی، فارسی اور ہندوستانی زبانیں اب تک ان علامات کے بغیر لکھی ہیں۔ ان زبانوں کی کتابوں میں کوئی علامت نہیں ہوتی۔ اس وجہ سے میں نے رسالہ نجم العلامات کے نام سے ایک مضمون لکھا۔ جس میں تجویز دی گئی تھی کہ قرآن مجید میں موجود علامات کو پہلے سے موجود املا کے اصولوں کے مطابق مناسب ترمیم کے ساتھ ہندوستانی زبان میں استعمال کیا جائے۔

میں نے اس مضمون کو ہندوستانی اخباروں کے مدیران کے علاوہ کلکتے، علی گڑھ اور لاہور میں مسلمانوں کی ادبی انجمنوں کو ارسال کیا۔ تاہم مجھے صرف لاہور کی ایک انجمن کی طرف سے جواب موصول ہوا۔ یہ بہت ہی دکھ کی بات ہے کہ تعلیم یافتہ مسلمانوں نے اس موضوع کو کوئی اہمیت نہیں دی لیکن چند سالوں بعد میرے دوست سر سید احمد خان نے علامات کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اپنے رسالے تہذیب الاخلاق میں میرے مضمون کی تعریف کی لیکن انھوں نے یہ عذر بھی پیش کیا کہ میں نے ان علامات کو وہی نام دیے ہیں جو قرآن میں موجود علامات کے لیے رائج ہیں۔ افسوس ناک بات یہ ہے کہ انھوں نے اپنے رسالے میں تین انگریزی علامات کا استعمال کیا ہے۔ اچھا ہوتا اگر وہ انگریزی علامات کی جگہ قرآن میں موجود علامات کا استعمال کرتے اور اس پر فخر کرتے۔

مجھے خوشی ہے کہ اب علامات کی ضرورت کو محسوس کیا جا رہا ہے۔ پنجاب کی ایک انجمن نے حال ہی میں اسکول کی اردو اور فارسی کتابوں میں کچھ علامات کا استعمال شروع کیا ہے۔ اُمید ہے کہ ہندوستانی اخبارات بھی املا کے اصولوں اور علامات کو اختیار کریں گے۔

علامات کے معاملے پر لوگوں کی عدم توجہ دیکھنے کے بعد میں نے ۱۸۷۲ء میں ایک ہفتہ وار ہندوستانی اخبار اردو انسٹرکٹر (Urdu Instructor) کا اجرا کیا۔ میں نے اس اخبار میں املا کے اصولوں اور علامات کا استعمال کیا تا کہ یہ اخبار دوسروں کے لیے مثال بن سکے۔ یہ اخبار چھے ماہ تک شائع ہوتا رہا لیکن پھر اسے خریداروں کی کمی کے باعث بند کرنا پڑا۔

میں نے ۱۸۸۲ء میں ایک ماہانہ انگریزی اور اردو جریدہ دی اردو انسٹرکٹر (The Urdu Instructor) کا آغاز کیا۔ اس کے اکثر خریدار اردو سیکھنے والے یورپی افراد تھے۔ یہ جریدہ دو سال تک شائع ہوتا رہا۔ ۱۸۸۳ء میں فارسی کے طالب علموں کی درخواست پر میں نے انگریزی اور فارسی زبان میں ایک ماہ نامہ جریدہ پرشین ٹیچر (Persian Teacher) کا آغاز کیا۔ اس کے زیادہ تر خریدار ہائی اسکولوں کے طالب علم اور یورپی افراد تھے۔ یہ جریدہ تین سال تک شائع ہوتا رہا۔

کتابی صورت میں ان دونوں جرائد سے منتخب مواد کو اردو پٹیشنز (Urdu Petitions)، دی پرشین پٹیشنز (Persian Petitions) اور اینگلو پرشین ڈائیلاگز (Anglo-Persian Dialouges) کے نام سے شائع

جا چکا ہے۔ان کتابوں کی ادارت میں میرے چھوٹے بیٹے غلام احمد منشی نے میری معاونت کی۔غلام احمد منشی بہت ذہین اور مستعد ہیں۔وہ ایلفنسٹن ہائی اسکول میں آٹھ سال تک فارسی کے استاد رہے۔انھوں نے چند کتابیں بھی لکھی ہیں اور عدالت کے لیے کچھ مقامی دستاویزات کا ترجمہ بھی کیا ہے۔اس نے میرے نام سے کتابوں کی دکان بھی کھولی۔وہ ۲۲ فروری ۱۸۹۰ء کو خالق حقیقی سے جا ملے۔انھوں نے سوگ واروں میں ایک بیٹا چھوڑا۔

میرے بڑے بیٹے عبدالکریم منشی نے کئی سال تک انجمن اسلام اسکول میں انگریزی پڑھائی۔ بھائی کی وفات کے بعد دکان کی ذمہ داری عبدالکریم نے سنبھالی اور اپنی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔

ہندوستانی زبان کے تعلیم وتدریس کے سلسلے ''تربیت نامہ'' کے عنوان سے میرے ترتیب کردہ دو کتاب چے شائع ہو چکے ہیں۔اور امید ہے کہ بقیہ کتاب چے بھی جلد شائع ہو جائیں گے۔میں نے کئی کتابوں کے ترجمے بھی کیے ہیں لیکن وہ ابھی مسودے کی صورت میں میری میز پر موجود ہیں کیوں کہ ان کی اشاعت کے لیے سرمایہ درکار ہے۔

مجھے ۱۸۸۵ء میں ایجوکیشن کمیشن اور ۱۸۸۷ء میں سول سروس کمیشن میں پیش ہونے کا اعزاز بھی حاصل رہا۔ مجھے یونی ورسٹی میں ہندوستانی اور فارسی کا ممتحن مقرر کیا گیا۔ مجھے بمبئی یونی ورسٹی کی فیلوشپ بھی دی گئی۔

باب ۳

ہندوستان، رنگون، پورٹ بلیئر، مکے اور مدینے کا سفر:

میں نے ہندوستان کے دو علاقوں کا سفر کیا۔پہلی بار بمبئی اور کلکتے کے درمیان موجود اہم مقامات کا اور دوسری بار بمبئی سے لاہور تک۔ مجھے ۱۸۷۶ء میں مکے اور مدینے کی زیارت بھی نصیب ہوئی۔

ہندوستانی بحری جہاز "Czarewitch" کے کمانڈر، کیپٹن ایلٹن (Captain Elton) نے مجھے دس روپے ماہوار پر اُسے ہندوستانی زبان سکھانے پر مامور کیا۔اس بحری جہاز پر میں نے کراچی، مدراس، رنگون اور جزائر انڈمان کا سفر کیا۔

باب ۴

بمبئی میں مسلمانوں کی تعلیمی صورت حال:

ہندوستان کے مسلمان اس وقت تعلیمی میدان میں بہت پیچھے ہیں۔میں نے مارچ ۱۸۶۹ء میں ہندوستانی زبان میں ''تحفۃ السبیان'' کے عنوان سے ایک مضمون لکھا۔اس مضمون میں تعلیم کی اہمیت کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ تعلیم سے دوری کے نقصانات بھی واضح کئے ہیں۔یہ مضمون صوبے بھر میں تقسیم کیا گیا۔اس مضمون کی اشاعت کے بعد مجھے اُن معزز مسلمانوں کی جانب سے مبارک باد کے خطوط موصول ہوئے جنھوں نے اس مضمون کی اہمیت کو سمجھا۔اس وجہ سے میں نے کچھ ماہ بعد مضمون کا دوسرا حصہ بھی شائع کر کے تقسیم کروایا۔

اعداد وشمار یہ بتاتے ہیں کہ حکومت نے مسلمانوں کی تعلیم کو شروع سے ہی نظر انداز کیا ہے جب کہ ہندوؤں پر حکومت کی

خاص توجہ رہی ہے۔ یہاں تک کہ نچلی ذات کے ہندوؤں کے لیے بھی علاحدہ اسکول قائم کیے گئے لیکن مسلمانوں کی تعلیم کے لیے کوئی قدم نہیں اٹھایا گیا۔ اس وجہ سے گزشتہ نصف صدی کے دوران ہندو مسلمانوں سے آگے نکل گئے۔ خوش قسمتی سے گزشتہ برسوں سے حکومت نے مسلمانوں کی تعلیم پر توجہ دینی شروع کر دی ہے۔

میں نے مسلمانوں میں تعلیم کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے اس وقت کے ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن سر الگزنڈر گرانٹ (Sir Alexander Grant) سے اس معاملے پر خط کتابت شروع کی۔ بعد میں مقامی اور مرکزی حکومت کو بھی اس بارے میں یاد دہانی کرواتا رہا جو اب تک جاری ہے۔ میں نے تعلیم کی اہمیت پر پونا، تھانا، سورت، احمد آباد اور خان دیش کے کچھ علاقوں میں تقاریر کیں۔ میں نے مسلمانوں کو خود تعلیم حاصل کرنے اور اپنے بچوں میں تعلیم عام کرنے کی ترغیب دینے کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔ میری جانب سے ڈائریکٹر پبلک انسٹرکشن سے بار بار درخواست کرنے پر پونا، احمد آباد، اور بلگام کے ٹریننگ کالجوں میں مسلمانوں کو تعلیم دینے کا آغاز ہوا۔ کئی علاقوں میں مسلمانوں کے لیے پرائمری اسکول قائم ہوئے اور ڈپٹی وسب ڈپٹی ایجوکیشنل انسپکٹر تعینات ہوئے۔

ایجوکیشن کمیشن نے مسلمانوں کو تعلیم کے حصول میں آسانیاں فراہم کرنے اور سرکاری نوکریاں دینے کی پرزور سفارش کی لیکن صاحب ثروت مسلمان تعلیم کو اہمیت نہیں دیتے اور غریب مسلمان تعلیم کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتے۔ اس کا تدارک صرف مرکزی حکومت کر سکتی ہے۔ اگر عوام اپنے بچوں کے تعلیم کا بوجھ نہیں برداشت کر سکتے تو حکومت کا فرض بنتا ہے کہ وہ ان کی تعلیم کا انتظام کرے۔

حکومت سے متعدد بار درخواست کرنے کے بعد لارڈ رے (Lord Reay) نے ۱۸۸۸ء میں صوبے کے تمام اضلاع میں مسلمانوں کے لیے وظیفے کا اعلان کیا جب کہ اس وقت تعلیمی سظائف کی فراہمی منقطع کر دی جا چکی تھی۔ میرے خیال میں کمزور مالی حیثیت کے حامل طبقے کے لیے تعلیمی وظائف بحال کیے جانے چاہئیں۔ اس کے لیے لازمی ہے کہ ملکہ اپنے سب سے زیادہ وفادار رعایہ یعنی مسلمانوں کی تعلیم پر خصوصی توجہ دیں۔

لاہور سے واپسی پر میں نے اپنے دوست محمد علی روغے سے ملاقات کی اور ان سے کہا کہ ہر جگہ انجمنیں قائم ہیں لیکن بمبئی میں ایسی کوئی انجمن موجود نہیں ہے۔ میری تجویز ہے کہ ہمیں بھی یہاں ایک انجمن قائم کرنی چاہیے۔ جناب روغے نے اس تجویز کو سراہتے ہوئے ۲۲ فروری ۱۸۷۶ء بروز منگل کو اپنی رہائش گاہ پر ایک اجلاس بلایا اور یوں انجمن اسلام قائم ہوئی۔ جناب کریم الدین طیب جی انجمن کے صدر اور منشی غلام محی الدین اور میں اعزازی سیکریٹری مقرر ہوئے۔

میں نے اپنی اگلی ملاقات میں مسلمانوں کی تعلیم کے حوالے سے مرتبہ گزارشات کو نے صدرِ انجمن کے حوالے کیا تا کہ وہ انجمن کے نام سے سیکریٹری آف اسٹیٹ برائے ہندوستان تک پہنچائی جا سکیں۔ صدر صاحب ان کی طوالت کے باعث انھیں اپنے ساتھ گھر لے گئے تا کہ ان گزارشات پر پوری طرح غور و فکر کے بعد اپنی رائے دے سکیں۔ اگلی ملاقات میں

انھوں مجھے کہا کہ منشی صاحب آپ نے یہ گزارشات بہت احتیاط سے مرتب کیں ہیں اور مجھے ان پر کوئی اعتراض بھی نہیں ہے لیکن ہماری انجمن ابھی نئی ہے اور ہم نے مقامی حکومت سے بھی کوئی رابطہ قائم نہیں کیا ہے لیکن آپ اسے اپنے نام سے مرکزی حکومت کو بھیج سکتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ ہمیں مقامی حکومت سے بھی خط کتابت کا آغاز کر دینا چاہیے۔

خدا کا شکر ہے کہ کئی سال کی دوڑ دھوپ کے بعد میں انجمن اسلام کی بنیاد رکھنے میں کام یاب ہوا جس نے پورے ملک میں شہرت حاصل کی۔ ایک سال تک اس کا سیکریٹری رہنے کے بعد میں نے استعفیٰ دے دیا اور مکے و مدینے کی زیارت کو چلا گیا وہاں سے میری واپسی چار ماہ بعد ہوئی۔

۱۸۸۵ء میں انجمن کی جانب سے سر رچرڈ ٹیمپل (Sir Richard Temple) سے مسلمانوں کی تعلیم کے لیے حکومتی امداد کی درخواست کی گئی۔ انھوں نے درخواست منظور کرتے ہوئے ماہانہ ۵۰۰ روپے کی امداد جاری کی۔ مسلمان لڑکوں کے اسکول کے لیے مسلمانوں نے چندے کے ذریعے چالیس ہزار روپے کی امداد دی اور یوں ۲۰ ستمبر ۱۸۸۰ء کو انجمن اسلام اسکول قائم ہوا۔

جب یہ ادارہ مکمل طریقے سے فعال ہو گیا تو سر جیمس فرگوسن (Sir James Fergusson) سے درخواست کی گئی کہ وہ شہر کے وسط میں اسکول کی عمارت کے لیے جگہ عنایت کریں۔ اس درخواست پر انڈو برٹش انسٹی ٹیوشن سے ملحقہ چھے ہزار مربع گز زمین اس شرط پر دی گئی کہ اس پر دو سال کے اندر عمارت کی تعمیر شروع ہو جائے۔ اور اگر مسلمان اسکول کی تعمیر کے لیے ایک لاکھ روپے جمع کر لیں تو حکومت بھی اسکول کی تعمیر کے لیے ۳۸ ہزار روپے فراہم کرے گی۔ ۱۸ ماہ گزر جانے کے بعد بھی ایک لاکھ روپے جمع نہ ہو سکے، میں نے انجمن کے صدر کو یاد دہانی کروائی جس پر انھوں نے نام ور مسلمانوں پر مشتمل اجلاس بلایا جو بے نتیجہ رہا۔

اس کے بعد میں نے جناب جیراج بھائی پیر بھائی سے بات کی اور خود چندہ جمع کرنا شروع کیا۔ یہ خطیر رقم جناب جیراج بھائی کی کوششوں کے بغیر جمع نہیں ہو سکتی تھی۔ انجمن کی انتظامی کمیٹی کے اراکین نے بھی اس سلسلے میں بہت کوشش کی۔ مدرسے کی عمارت کا نقشہ جناب مرزبان [کذا] سے تیار کروایا گیا اور عمارت کی تعمیر کا ٹھیکا پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ کو ایک لاکھ چالیس ہزار روپے میں دیا گیا۔ جناب ابراہیم احمدی نے عمارت کی تعمیر کی نگرانی کی۔ ۲۵ اپریل ۱۸۸۵ء کو لارڈ رے نے عمارت کا سنگ بنیاد رکھا۔ تعمیر مکمل ہونے کے بعد ۲۷ مارچ ۱۸۹۳ء کو لارڈ ہیرس (Lord Harris) نے اس کا افتتاح کیا۔

اللہ کے فضل و کرم اور انتظامی کمیٹی کی انتھک محنت سے یہ ادارہ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ قائم ہے۔ اب اس کی مزید شاخیں جیسے انجمن اسلام لائبریری، اسلام کلب اور اسلام جم خانہ بھی قائم ہو چکی ہیں۔

بمبئی کی بلدیہ بھی ۱۸۸۰ء سے انجمن کے تعلیمی مقاصد کے لیے سالانہ پانچ ہزار روپے کی امداد دے رہی ہے۔

باب ۵

خان بہادر کا خطاب:

حکومت نے گزشتہ ربع صدی میں مسلمانوں کی تعلیم کے لیے میری ادنیٰ کاوشوں کو سراہتے ہوئے ۱۸۸۴ء میں مجھے

خان بہادر کا خطاب دیا۔

باب ۶

سرکاری اداروں میں مسلمانوں کی ملازمت:

میں نے ۱۸۸۶ء میں بمبئی کے گورنر لارڈ رے سے درخواست کی تھی کہ وہ کسی مسلمان کو اس کام کے لیے مقرر کر دیں تا کہ وہ سرکاری نوکریوں کے لیے مسلمان اُمیدواروں کے نام تجویز کرے۔ میں نے ہر سرکاری ادارے میں کام کرنے والے مسلمانوں کی تعداد بھی بتائی۔

چوں کہ سرکاری اداروں میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی اس لیے حکومت نے میری درخواست کو منظور کرنا مناسب سمجھا۔ اس ضمن میں ۵ جون اور ۱۷ ستمبر ۱۸۸۶ء میں دو قراردادیں منظور کی گئیں۔

میں نے ہر ماہ صوبے میں موجود مسلمان اُمیدواروں کی فہرستیں سرکاری اداروں کے سربراہان کو ارسال کرنا شروع کیں۔ جب یہ خبر پھیلی تو میرے پاس ملک بھر سے آنے والی نوکری کے حصول کے بابت درخواستوں کے انبار لگ گئے۔ اسی دوران کاب یاب اُمیدواروں کی فہرستیں تقسیم ہوئیں اور کچھ مسلمان امیدوار بھی نوکری کے حصول میں کام یاب ہوئے۔ یہ بہت تسلی بخش امر ہے کہ میری سفارش پر سیکڑوں مسلمانوں کو سرکاری نوکریاں حاصل ہوئیں۔ اکثر نوکریاں معمولی درجے کی ہی تھیں لیکن کچھ مسلمان اعلیٰ عہدوں پر بھی فائز ہوئے۔

اگرچہ مرکزی حکومت نے بھی اس ضمن میں قرارداد منظور کی ہے (پیرا گراف ۲۲ کلکتہ گزٹ ۱۳ اکتوبر ۱۸۸۶ء) لیکن مسلمانوں کو ملنے والی نوکریاں اب بھی کم ہیں۔ ان قراردادوں سے بے چین مسلمانوں کو کچھ تسلی تو ہوئی ہے لیکن وہ ابھی پوری طرح مطمئن نہیں ہوئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان قراردادوں کے مندرجات پر بہت کم توجہ دی گئی۔ اگر مسلمانوں کی تعلیم اور نوکریوں کے حوالے سے خاص توجہ دی جائے تب بھی انھیں ہندوؤں کے برابر آنے میں ایک عرصہ درکار ہوگا۔

جب ہندوستان کے مسلمانوں کو ہندوؤں کی طرح سرکاری نوکریوں میں ان کا حق مل جائے گا تب ملک کے حالات بھی سازگار ہو جائیں گے اور حکومت کی مشکلات بھی کم ہو جائیں گی۔

باب ۷

مسلمانوں کو ملنے والے اعزازات، خطابات اور عہدے:

حکومت کی طرف سے سرکاری نوکریوں کے لیے مسلمان امیدواروں کے انتخاب کی اجازت ملنے کے بعد میں نے سرکاری اعزازات اور خطابات کے لیے بھی مسلمانوں کے ناموں کی سفارش کی۔ یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔

مثال کے طور پر میری بار بار درخواست پر جناب آر ایم سیانی ایم اے، ایل ایل بی کو ۱۸۸۵ء میں بمبئی کا شیرف (شہری انتظامیہ کا سربراہ) تعینات کیا گیا۔

ایک ملاقات میں لارڈ رے نے میرا شکریہ ادا کیا کہ میں نے جناب بدرالدین طیب جی کے ریٹائر ہونے کہ بعد خان بہادر قاضی شہاب الدین کو مجلس قانون ساز کے لیے نامزد کیا۔ لارڈ رے نے مزید کہا کہ انھیں ایسا ہی شخص درکار تھا کیوں کہ وہ حکومت برطانیہ اور مقامی ریاستوں دونوں کے ساتھ کام کر چکے ہیں اور بخوبی جانتے ہیں کہ برطانوی حکومت کیا چاہتی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ انھیں میری تجاویز پر غور کرنے میں خوشی ہوگی۔

ہندوستان میں جوبلی جشن سے پہلے میں نے بمبئی کے کچھ علما کے لیے شمس العلماء کے خطاب کی سفارش کی تھی لیکن اس پر کوئی عمل نہیں ہوا۔ برطانیہ میں جوبلی جشن سے پہلے میں نے مقامی حکومت سے اس ضمن میں دوبارہ درخواست کی لیکن وہ بھی بے سود ثابت ہوئی۔

میں نے نا امید ہوکر حکومت ہند کو لکھا کہ بنگال، مدراس، پنجاب اور شمال مغربی صوبے میں کچھ مسلمان علما کو شمس العلما کا خطاب دیا گیا ہے لیکن صوبہ بمبئی میں ایک بھی عالم کو یہ خطاب نہیں دیا گیا۔ میری درخواست غور وفکر کے بعد مقامی حکومت کو ارسال کی گئی۔ اس کے بعد بمبئی کے قاضی جناب قاضی عبداللطیف لونڈے اور دکن کے مولوی معراج کو شمس العلماء کا خطاب دیا گیا۔

میں نے جناب محمد حسین حکیم کی عدالتی عہدے کے لیے سفارش کی اور اس کے لیے صرف لارڈ رے سے ملاقات ہی نہیں کی بلکہ ٹائمز آف انڈیا میں اس حوالے سے لکھا بھی۔ خدا کا شکر ہے کہ جلد ہی انھیں کراچی کی ایک عدالت کا جج مقرر کر دیا گیا۔ سر تھاریا ٹوپان (Tharia Topan) کو بھی حکومت نے سر کا خطاب عطا کیا۔ اسی طرح کئی مسلمانوں کو یونی ورسٹی کی فیلوشپ دی گئی اور کئی کو ناظمِ امن تعینات کیا گیا۔

باب ۸

انگریزی تعلیم کے بارے میں مقامی افراد کے خیالات:

انگریزی تعلیم کے حوالے سے پرانی نسل کے خیالات نوجوان نسل سے بالکل مختلف ہیں۔ پرانی نسل کا خیال ہے کہ انگریزی تعلیم سے لوگ بے راہ روی کا شکار ہو رہے ہیں۔ کچھ لوگ یورپی لباس اختیار کر کے اور کھانے کے دوران چھری کانٹا استعمال کر کے خود کو مصلح ثابت کرتے ہیں لیکن پرانی نسل کے خیال میں وہی خرابی کی وجہ ہیں کیوں کہ وہ اپنے اجداد کے طرز زندگی میں نقص نکالتے ہیں۔ اور جیسے کہ شیخ سعدی نے کہا ''خطا بزرگان گرفتن خطاست''۔

میرے خیال میں ہندوستان کے ہر باشندے کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے حکمرانوں کی زبان سیکھیں۔ مغلوں نے ہندوستان فتح کرنے کے بعد دربار میں فارسی زبان کو رائج کیا تھا۔ ہندوؤں نے اپنے حکمرانوں کی زبان سیکھی اور اس میں اتنی مہارت حاصل کی کہ انھوں نے نا صرف شعر ونثر کے مجموعے ترتیب دیے بلکہ سرکاری عہدوں پر بھی فائز ہوئے۔

اسی طرح بنگالیوں، مرہٹوں اور برہمنوں نے انگریزی زبان میں مہارت حاصل کرے اعلیٰ سرکاری عہدے حاصل

کر لیے ہیں۔ دوسری طرف مسلمانوں نے خود کو انگریزی سیکھنے سے روکے رکھا اور وہ پیچھے رہ گئے۔

خدا کا شکر ہے کہ اب مسلمانوں نے انگریزی کی اہمیت کو سمجھ لیا ہے۔ لیکن دوسری قوموں کا مقابلہ کرنے کے لیے انھیں بہت وقت درکار ہے۔

باب ۹

ہندوستان میں انگریز راج:

ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت ۱۸۵۷ء تک خود کو بہت مستحکم کر چکی تھی۔ ملک کے تمام حصوں کو ریل کے ذریعے منسلک کرنا حکومت کا ایک تحفہ ہے۔ ریل کی وجہ سے ملک کے کسی بھی حصے میں قحط کا ڈر نہیں رہا۔ اس کے علاوہ ٹیلی گراف متعارف کراوانا بھی حکومت کا ایک کارنامہ ہے۔

لیکن بدقسمتی سے ۱۸۵۷ء کے وسط میں بغاوت ہوگئی۔ لکھنے والوں نے اس کی کئی وجوہات لکھی ہیں۔ یہ واقعہ حکومت اور عوام دونوں کے لیے ہی نقصان دہ ثابت ہوا۔ اس بغاوت کا حصہ بننے والے حکمرانوں اور سرداروں کا نام و نشان تک مٹ گیا۔ غدر بعد مقامی راجہ، نواب اور سردار احکومت کے وفادار بن گئے اور حکومت نے انھیں مشکل وقت میں حکومت کا ساتھ دینے کے عوض بڑی رقوم دینے کا وعدہ بھی کیا۔

اس وجہ سے حکومت کو اب مقامی افراد سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ حکومت کو مقامی افراد پر مشتمل رضا کاروں کے دستے تشکیل دینے چاہئیں۔ ان دستوں کی کمان کسی انگریز افسر کے پاس ہو اور ایک مقامی افسر اس کی معاونت کرے۔ یہ دستے ضرورت کے وقت اپنے ہم وطنوں کی بہتر طور پر مدد کر سکیں گے۔ یورپی رضا کار اول تو تعداد میں بہت کم ہیں اور پھر مقامی افراد ان سے مطمئن بھی نہیں ہیں۔

غدر کے بعد سے ہندوستان کی مقامی فوج میں بھی کمی کر دی گئی ہے۔ میری رائے میں فوج کی تعداد میں اضافہ کرنا چاہیے اور پہلے سے زیادہ بھرتیاں کرنی چاہئیں۔

ساتھ ہی ساتھ میں فوجیوں کی تنخواہیں بڑھانے کی بھی پرزور حمایت کرتا ہوں کیوں کہ اس فوج پر ہی ملک کے دفاع اور حفاظت کا انحصار ہے۔ شیخ سعدی نے کہا ہے زر بدہ مرد سپاہی را تا سر بند هو گر ش زر ندهی سر بند هد در عالم۔

میں حکومت کی اجازت سے بغیر کسی لگی لپٹی کے ایک حساس معاملے پر اپنی رائے دینا چاہتا ہوں۔ ۱۸۵۸ء سے آج تک ہندوستان میں ملکہ کے ہر حکم کی تعمیل ہوتی آئی ہے۔ اس کے باوجود افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے شدید احتجاج کو نظر انداز کرتے ہوئے حکومت نے بل برائے سن قانونی (Age of Consent Bill) کو ایکٹ کی صورت دے دی ہے۔ میں سیکریٹری آف اسٹیٹ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس ایکٹ کو ختم کر دیا جائے۔

ہندوستان میں رائج انگریز حکومت کے سول اور فوجی قوانین اچھے ہیں اور ان میں وقت کے ساتھ ساتھ بہتری بھی

ہوتی رہتی ہے۔حکومت نے پریس پر سے پابندیاں ہٹادی ہیں۔میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آئے روز سفید فاموں کے لیے جانب دارانہ رویہ اختیار کیا جارہا ہے۔مزید یہ کہ کچھ سفید فام سرکاری ملازموں کو غیر قانونی مراعات دی جارہی ہیں۔

میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ ہندوستان میں ہائی کورٹ کے جج حضرات وراثت اور دیگر مقدمات کا فیصلہ کرنے میں سال یا اس سے زیادہ عرصہ کیوں لگادیتے ہیں۔اوراس عرصے میں طرفین اپنا وقت اور پیسا ضائع کرتے رہتے ہیں۔

ان خرابیوں کا حل صرف حکومت کے پاس ہے۔حکومت کی جانب سے سخت احکامات دیے جانے چاہئیں۔مقامی حکومتوں کو چاہیے کہ وہ ہر ۳ ماہ بعد مرکزی حکومت کو رپورٹ پیش کرے۔مرکزی حکومت اندستاویزات کے جائزے کے لیے سخت افسران پر مشتمل کمیشن بنائے جو اپنیرائے سیکرٹری آف اسٹیٹ کو بھیجیں۔

میں آج تک یہ بات سمجھنے سے قاصر ہوں کہ مقامی سپاہیوں کے کواٹر انگریز فوجیوں کی بیرکوں کے مقابلے انتہائی برے حال میں کیوں ہیں۔یہی فرق ان دونوں کی تنخواہوں میں ہے۔اگر جنگ کے دوران ان میں کوئی فرق نہیں ہوتا تو زمانہِ امن میں یہ فرق کیوں کیا جارہا ہے۔

حکومت کا فرض ہے کہ وہ عوام کی فلاح و بہبود کا خیال رکھے۔شیخ سعدی نے کہا کہ حکومت درخت ہے اور رعایا جڑیں۔اگر جڑیں خراب ہوں گی تو درخت بھی قائم نہیں رہ سکتا۔اسی لیے حکومت کو چاہیے کہ وہ عوام کی خوش حالی کے لیے اقدامات کرے۔

افیم انسانی جسم کو کھوکھلا کردیتی ہے۔اسی طرح دیسی شراب بھی روز بہ روز کئی زندگیاں نگل رہی ہے۔طب کے پیشے سے منسلک کئی افراد اس بارے میں اپنی رائے دے چکے ہیں کہ یہ دونوں نشے انسان کو مختلف جرائم کا ارتکاب کرنے پر اکساتے ہیں۔میری درخواست ہے کہ معاشرے کو رفتہ رفتہ اس ناسور سے پاک کیا جائے۔اس سلسلے میں رکن پارلیمان جناب کین (Cain) کی کوششیں کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔خدا کا شکر ہے کہ ملک بھر میں ضبط نفس کی انجمنیں قائم ہوگئی ہیں جو لوگوں کو نشے کی لت سے بچانے کی کوشش کررہی ہیں۔

یہاں میں یہ بات بھی بیان کرتا چلوں کہ گرانٹ روڈ پر قائم تھیٹر مقامی افراد کے لیے وبال بنے ہوئے ہیں۔ان کے اردگرد شراب کی دکانیں اور قحبہ خانے کھل گئے ہیں جو نوجوان نسل کی خرابی کا باعث بن رہے ہیں۔جوئے کی لت بھی ایک عفریت کا روپ دھار رہی ہے۔اگرچہ کچھ سال پہلے تک بمبئی میں جوئے پر قابو پالیا گیا تھا لیکن نا جانے کیوں اب ایسا نہیں ہورہا۔یہ بات بھی حیران کن ہے کہ جواریوں کے خلاف کارروائی تو ہورہی ہے لیکن جوئے کے اڈوں پر کوئی پابندی نہیں۔

میری دعا ہے کہ نوشیروان کی طرح عزت مآب ملکہ وکٹوریا، ملکہ برطانیہ، فرماں روائے ہند کا نام ہمیشہ روشن رہے۔

باب ۱۰

اختتام:

آخر میں نئی نسل کو بالعموم اور مسلمان نوجوانوں کو بالخصوص یہ مشورہ دینا چاہتا ہوں کہ جھوٹ، غیبت، چوری، دھوکے

بازی، رشوت خوری اور دیگر برائیوں سے بچیں۔ وہ شراب، چرس، افیم، تمباکو اور دیگر تمام نشوں سے دور رہیں۔ ضرورت سے زیادہ مشقت نہیں کریں، دن میں آٹھ سے نو گھنٹوں سے زیادہ کام نہیں کریں۔ صبح جلدی اٹھیں اور رات کو جلدی سوئیں۔ روزانہ شام کو کسی پرفضا مقام پر چہل قدمی اور ورزش کے لیے جائیں۔ اور آج کا کام کل پر مت چھوڑیں اور سب سے بڑھ کر اپنی نجات کے راستے کو اختیار کریں۔ یعنی اللہ اور اس کے رسول حضرت محمد ﷺ پر کامل ایمان رکھیں۔ باقاعدگی سے پانچ وقت کی نماز ادا کریں اور رمضان کے روزے رکھیں۔

حوالہ جات:

۱۔ حاجی غلام محمد منشی سیاسی و سماجی نظریات کے حوالے سے انگریز حکومت کے طرف دار تھے اور یہ سیاسی و سماجی حوالوں سے سر سید احمد خان کی پیروی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

۲۔ Companion of the Indian Empire

Abstract

This Urdu translation of an English text presents the autobiography of Haji Ghulam Muhammad Munshi written in 1893. The autobiography contains a relatively long dedication, preface, ten very brief chapters of which tenth chapter is of conclusion. In the beginning, the biographer briefed the reason for writing it and unfolded much about his endeavors for the Muslims struggling in many ways such as seeking employment in the Railway and other government functionaries. It also made it clear that the noted Muslims were little recognized by the state. The biographer tried his best to advocate their cases through correspondence with the state departments concerned to do justice with them. The biography also shed light on some of the books in which Resala Najmul Alamaat had great important as it was one of the foremost texts of its nature: sing of composition for Urdu prose. His efforts for education for the Muslims young were also discussed and in the end of the text he advised the young people of his time to refrain from bad habits.

Keyword: Resala Najmul Alamaat, biography of late nineteenth century, Haji Ghulam Muhammad Munshi